

تفسیری ادب پر شاذ قراءات کے اثرات

شاء اللہ

اصول تفسیر میں یہ مسلم بات ہے کہ دو متواتر قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔ ان میں سے کسی ایک قراءت کا انکار قرآن کریم کی آیت کا انکار ہے۔ لہذا اگر دو متواتر قراءتوں میں بہ ظاہر کوئی تعارض آجائے تو دونوں میں تطبیق کی صورت نکالنا ضروری ہوگا، البتہ شاذ قراءت اگر کسی متواتر قراءت کے معارض ہو تو شاذ کو رد کیا جائے گا۔ قراءتیں زیادہ ہونا ”اختلاف تعدد“ ہے، ”اختلاف تضاد“ نہیں ہے۔

تفسیر میں قراءات متواترہ کی قبولیت میں جمہور علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ زمانہ قدیم سے تفسیری ادب پر شاذ قراءات کے اثرات ہیں اور یہ شاذ قراءات اکثر ایسی ہیں جن کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ان شاذ قراءات کے تفسیری ادب پر اثرات اور ان کی نوعیت اس مقالے میں اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

اس موضوع سے متعلق سابقہ علمی و تحقیقی کام

علمائے قراءت نے فن قراءات کے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں۔ انھوں نے قراءت کی تدوین و تہذیب کی، صحیح مشہور اور شاذ قراءت کے اصول و ارکان مقرر کیے اور بڑی محنت سے روایات قراءات کو جمع کیا اور انھیں کتابی شکل دی۔ محمد سعود عالم قاسمی کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے فن قراءت پر جس عالم نے کتاب لکھی وہ امام کسائی ہیں اور ان کے بعد عبید بن قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ محقق ابن جزری رحمہ اللہ نے ابن سلام کو پہلا معتبر مصنف قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنی معروف کتاب النشر فی القراءات العشر میں اپنے پیش رو مصنفین کی ستاون کتابوں کا تعارف کرایا ہے۔^(۱)

اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

(drsanaullahussain@gmail.com)

۱۔ محمد سعود عالم قاسمی، ”فن قراءات کا ارتقاء“، ماہنامہ رشد (لاہور: ستمبر ۲۰۰۹ء)، ۱۲۔

چوں کہ زیرِ نظر موضوع کا تعلق اختلافِ قراءات سے ہے، اس لیے یہاں ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق اختلافِ قراءات سے ہے۔ علمِ تفسیر، علمِ حدیث اور علمِ فقہ کی قدیم اور مستند کتابوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اکثر مفسرین، محدثین، اور فقہانے نہایت اہتمام کے ساتھ اختلافِ قراءات کو اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اور جاہِ جان سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح علمِ نحو کی کتب میں بھی مختلف قراءتوں سے استشہاد کی مثالیں ملتی ہیں۔^(۲) تفسیر کی کتابوں میں تفسیر الطبري (ابن جریر طبری)، التفسیر الکبیر (امام رازی)، الکشاف (زمخشري)، أحكام القرآن (جصاص)، أحكام القرآن (ابن العربي)، تفسیر روح المعانی (آلوسی)، تفسیر الدرر المنثور (سیوطی)، البحر المحیط (ابو حیان اندلسی)، المحرر الوجیز (ابن عطیہ)، تفسیر القرطبي (قرطبی)، التفسیر المظهری (ثناء اللہ پانی پتی)، تفسیر بیان القرآن (اشرف علی تھانوی) وغیرہ میں اختلافِ قراءات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ علمِ حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں متعدد قراءتوں کا ذکر موجود ہے، صحیح مسلم، ترمذی اور ابوداؤد، وغیرہ میں بھی مختلف قراءات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ علمِ قراءات اور دوسرے عربی علوم کے تعلق یا اثرات کے حوالے سے گذشتہ عرصے میں جو علمی اور تحقیقی کام ہوئے۔ اس کا ایک جائزہ مندرجہ ذیل ہے:

امام ابن خالویہ (م ۳۷۰ھ) کی کتاب الحجة في القراءات السبع، قراءات سبع کی توجیہ اور معانی کے بیان پر معتبر کتب میں شمار ہوتی ہے۔ الکشف عن وجوه القراءات امام مکی بن ابی طالب القیمی (م ۴۳۷ھ) کی معروف کتاب ہے۔ اس کتاب میں مختلف قراءات کے معانی دلائل کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ أثر القرآن و القراءات في النحو العربي، سمیر نجیب کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں قرآن اور قراءات کے نحوی اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کویت سے ۱۹۷۸ء میں طبع ہوئی ہے۔

أثر القراءات في الفقه الإسلامي، صبری عبد الرؤوف کی کتاب ہے جس میں فقہی احکام سے متعلق ایسی آیات قرآنیہ کو جمع کیا ہے جن میں مختلف قراءات پائی جاتی ہیں، اور ان کی وجہ سے فقہی اختلاف رونما ہوا ہے۔ ریاض سے ۱۹۹۷ء میں طبع ہوئی ہے۔ النحو القرآنی: قواعد و شواہد، جمیل احمد ظفر کی کتاب ہے

۲- رشید تھانوی، قراءات قرآنیہ سے استدلال کے مناج، مقالہ پل ایچ ڈی علوم اسلامیہ (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونی

ورسٹی)۔

جو ۱۹۹۸ء میں مکہ مکرمہ سے طبع ہوئی ہے۔ اس کا موضوع نام ہی سے ظاہر ہے۔ القراءات و اثرها في التفسير و الأحكام، محمد بن عمر بن سالم بازمول کی کتاب ہے جو ریاض سے ۱۹۹۶ء میں طبع ہوئی ہے۔ یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے اور اس میں مختلف قراءتوں کو جمع کر کے، تفسیر پر ان کے اثرات کے اعتبار سے ان قراءتوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ یونیورسٹیوں کے تحقیقی مقالات بھی اس موضوع پر موجود ہیں جن میں سے حسب ذیل راقم کی اطلاع میں آسکے ہیں: القراءات المتواترة وردالشبه عنها، فصیح اللہ عبدالباقی افغانی، مقالہ ایم اے، ۱۹۹۷ء، کلیۃ اصول الدین، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد۔ القواعد النحویۃ فی میزان القراءات القرآنیۃ، از عبدالحی مقیم گل محمد، مقالہ پی ایچ ڈی، ۲۰۰۳ء، کلیۃ اللغۃ العربیۃ، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد، القراءات فی تفسیر الکشاف، از روح اللہ مجاہد، مقالہ ایم اے، کلیۃ اصول الدین، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، القراءات فی تفسیر البحر المحیط لأبی حیان النحوی، از رب نواز مقالہ ایم اے، ۲۰۰۷ء، کلیۃ اصول الدین، الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ، اسلام آباد، قراءات شاذہ: شرعی حیثیت اور تفسیر وفقہ پر اثرات، محمد اسلم صدیق، مقالہ ایم فل، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، یہ مقالہ مئی ۲۰۰۶ء میں شیخ زاید اسلامک سینٹر سے طبع ہوا ہے۔ اختلاف قراءات اور نظریہ تحریف قرآن، از محمد فیروز الدین شاہ کھگہ، مقالہ ایم فل، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، یہ مقالہ جون ۲۰۰۶ء میں شیخ زاید اسلامک سینٹر سے طبع ہوا ہے۔ تفسیر قرآن حکیم پر اختلاف قراءات کے اثرات کا ایک جائزہ، از حافظ رشید احمد تھانوی، مقالہ پی۔ایچ ڈی علوم اسلامیہ کلیۃ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔ مذکورہ تحقیقی کام میں تفسیری ادب پر شاذ قراءات کا مختلف انواع سے جائزہ لیا گیا ہے جب کہ مقالہ ہذا میں شاذ قراءات کے اثرات کی نوعیت پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

۱- تعارف قراءات قرآنی

قراءات کا لغوی مفہوم

لفظ قراءات جمع ہے قراءۃ کی۔ لغت میں قراءۃ یقرأ سے قراءۃ مصدر سماعی ہے۔ جمہور علمائے لغت نے لفظ قراءۃ کو قراء سے مشتق مانا ہے اور یہ لفظ اگرچہ مختلف معانی میں مستعمل ہے، لیکن تمام معانی میں قدر مشترک

کے طور پر (جمع، اجتماع اور ضم) کا مفہوم بھی موجود ہے،^(۳) چنانچہ ”قرأت الشیء“ کا معنی یہ ہو گا کہ ”میں نے فلاں چیز کو جمع کیا اور اس کے بعض کو بعض سے ملایا“ تو اس صورت میں قراءات القرآن سے مراد کلمات اور حروف کو باہم ملانا مراد ہو گا، اس لیے امام راغب اصفہانی^(۴) نے کہا ہے: ”بعض کلمات اور حروف کو بعض کے ساتھ ملا دینا اور جمع کر دینا“^(۵) اور کلام عرب میں یہ کسی چیز کو اندر سے باہر نکالنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) لفظ قراءۃ کو قرأ یقرأ سے مشتق قرار دیتے ہیں، لیکن ابن فارس رحمہ اللہ^(۶) قرأ یقری اور قرأ یقرأ کے مفہوم میں یہ فرق ظاہر کرتے ہیں کہ اول الذکر (مہوز اللام) کا معنی کسی چیز کو مخرج سے نکالنا ہوتا ہے اور قراءۃ القرآن بھی اسی سے ماخوذ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قرأ کے مختلف معانی پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس لفظ میں جمع کرنا، یا جمع ہونا اور نکالنا یا ڈالنا دونوں معانی باہم لازم و ملزوم ہیں۔

قراءات کا اصطلاحی مفہوم

علمائے تفسیر نے قراءات کی مختلف تعریفات کی ہیں۔ بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ^(۷) (م ۷۹۴ھ) نے قراءات متواترہ اور شاذہ دونوں کی تعریف اس طرح کی ہے۔ ”القراءات هي اختلاف ألفاظ الوحي المذكور في كتابة الحروف أو کیفیتها من تخفيف وتثقیل وغیرھا۔“^(۸) (قراءات وہ علم ہے جس کے ذریعے وحی قرآنی کے الفاظ کے اختلاف کا پتا چلتا ہے کہ کون سا حرف کس طرح لکھا جائے گا؛ تخفیف کے ساتھ یا تشدید کے ساتھ، وغیرہ)۔

۳۔ ابوالفضل محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۱۲۸۔

۴۔ الحسین بن محمد بن الفضل ابوالقاسم الاصفہانی المعروف بالرغب بہت بڑے ادیب، لغت دان اور مفسر تھے۔ (خیر الدین الزرکلی، الأعلام (بیروت: دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء)، ۲: ۲۷۹۔

۵۔ راغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، (کراچی، ۱۹۶۱ء)، ۱۱۔

۶۔ ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا (ت ۳۹۵ھ) بہت بڑے لغت دان اور نحوی تھے۔

۷۔ بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی (ت ۷۹۴ھ) فقہ شافعی اور اصول کے بہت بڑے عالم تھے۔ (الزرکلی، مرجع سابق، ۶: ۲۸۶)۔

۸۔ بدر الدین الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء)، ۱: ۲۶۵۔

علامہ محمد بن محمد ابو الخیرہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”القراءات علم بکیفۃ أداء کلمات القرآن واختلافها بعزوٍ ناقله.“^(۹) (یعنی قراءات اس علم کا نام ہے کہ جس میں کلمات قرآنیہ کے ادا کی کیفیت اور اس کا اختلاف معلوم کیا جاتا ہے جو کہ متصل السند ہو۔) سب سے جامع اور مانع تعریف شہاب الدین قطلانی رحمۃ اللہ علیہ (ت ۹۲۳ھ) کی ہے وہ لکھتے ہیں: ”علم يعرف منه اتفاق الناقلين لكتاب الله عزوجل واختلافهم في اللغة والإعراب والحذف والإثبات والتحريك والإسكان والمفصل والاتصال وغير ذلك من هيئة النطق والإبدال من حيث السماع.“^(۱۰) (قراءات ایسا علم ہے جس کے ذریعے لغت، اعراب، حذف، اثبات، تحریک، اسکان، فصل، وصل اور ادائی کلمات کی دیگر حالتوں میں کتاب اللہ کے ناقلین کے اتفاق اور اختلاف کا پتا چلتا ہے، یاد رہے کہ اس اختلاف اور اتفاق کا تعلق نقل اور سماع سے ہے۔) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے استاذ معروف عالم قراءات، عبدالفتاح القاضی کی تعریف مختصر اور جامع اور مانع ہونے کی وجہ سے قابل ذکر ہے وہ لکھتے ہیں: ”علم يعرف به كيفية النطق بالكلمات القرآنية وطريق أدائها اتفاقا واختلافا مع عزو كل وجه لناقله.“^(۱۱) (قراءات ایسا علم ہے جس سے قرآنی کلمات کے نطق کی کیفیت اور ادائی کے طریقہ کار کا پتا چلتا ہے کہ کلمات قرآنیہ کی کون سی وجہ اتفاقی ہیں اور کون سی اختلافی ہیں اور ہر وجہ (صورت) کی نسبت اسے نقل کرنے والے کی طرف ہوتی ہے۔)

ان تمام تعریفات کو جمع کیا جائے تو مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱- علم قراءات کا تعلق وحی قرآنی سے ہے، جیسا کہ اختلاف ألفاظ الوحي القرآني سے معلوم ہوتا ہے؛ گویا علم قراءات، وحی جلی یعنی قرآن کریم کی وحی اور وحی خفی یعنی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہے۔

۲- علم قراءات، نقل اور سماع پر موقوف ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر۔

۹- ابن الجزری، منجد المقرئين (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۸۰ء)، ۳۔

۱۰- شہاب الدین القطلانی، لطائف الإشارات لفنون القراءات، تحقیق: عامر السید (قاہرہ: ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء)، ۱۔

۱۱- القاضی عبدالفتاح، البدور الزاهرة (لاہور: قراءات اکیڈمی، ۲۰۰۱ء)، ۵۔

- ۳- قراءات میں اختلافی اور اتفاقی مقامات کا تعین کیا جاتا ہے۔
 ۴- وہ قراءات نقل صحیح سے ثابت ہوں، خواہ وہ متواتر ہوں یا شاذہ ہو۔
 ۵- قراءات کے درمیان اختلاف کی نوعیت اور حقیقت جاننا۔

قراءات کی اقسام:

سند کے اعتبار سے قراءات کی چھ اقسام ہیں:

۱- متواتر قراءات: القراءة التي نقلها جمع لا يمكن تواطؤهم على الكذب عن مثلهم إلى منتهاه^(۱۲) (یہ وہ قراءات ہے جس کو ایک ایسی جماعت دوسری جماعت سے نقل کرتی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔) متواتر قراءات کے بارے میں امام ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) لکھتے ہیں: ”القراءات السبع متواترة. لو لم تكن متواترة لكان بعض القرآن غير متواتر كملك و ملك و نحوها، و تخصيص أحدهما تحکم باطل لا استواء لهما۔“^(۱۳) (سات قراءتیں متواترہ ہیں۔ اگر یہ متواتر نہ ہوں تو قرآن کا بعض حصہ غیر متواتر بن جائے گا۔ جیسے ملک اور ملک، اور اس طرح کی اور قراءتیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو خصوصیت دے دینا غلط ہے، اس لیے کہ یہ دونوں برابر ہیں۔) نیز امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) إرشاد الفحول في علم الأصول میں لکھتے ہیں:

”قرآن اس چیز کا نام ہے جو مصحف میں ہے اور مشہور قرا کا اس پر اتفاق ہے اور جس میں ان کا اختلاف ہو اسے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱: مصحف کا رسم دو مختلف قراءتوں کا احتمال رکھتا ہے، اور یہ دونوں قراءتیں اعرابی حیثیت اور معنی کے مطابق ہیں تو یہ قرآن ہیں۔

۲: اگر مصحف کا رسم ایک کا احتمال رکھے اور دوسری قراءات کا احتمال نہ رکھے، تو پھر دو صورتیں ہیں:

۱۲- عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی، الإقتان في علوم القرآن (مصر: مكتبة الخانجي)، ۷۷-۸۰۔

۱۳- جمال الدین ابو عمرو عثمان ابن الحاجب، کتاب منتهی الوصول و الأمل في علمي الأصول و الجدل (مصر:

الف: اس غیر محتمل قراءات کی اسناد صحیح ہے اور وہ اعرابی حیثیت اور معنی عربی کے موافق ہے، تو پھر وہ شاذ قراءات ہے، اور اپنے مدلول پر دلالت کرنے میں اس کا حکم خبر واحد کی طرح ہے۔ عام ہے کہ یہ قراءات سب سے ہو یا نہ ہو۔

ب: وہ قراءات جس کا رسم میں احتمال نہ ہو اور اس کی اسناد بھی صحیح نہ ہو تو پھر وہ قرآن نہیں ہے اور نہ اس کو خبر واحد ہی کے درجے میں رکھا جائے گا۔^(۱۳)

۲- مشہور قراءات: القراءة التي صح سندها، ولم تبلغ درجة المتواتر، ووافقت الرسم و العربية، اشتهرت عند القراء، فلم يعدوها من الغلط و لا من الشذوذ. (یہ وہ قراءات ہے جس کی سند صحیح ہو، لیکن درجہ تواتر تک نہ پہنچے، اصول عربیت اور مصحف عثمانی سے ہم آہنگ ہو، البتہ قرا کے نزدیک اتنی مشہور ہو کہ وہ اس کو غلط یا شاذ شمار نہ کریں۔)

۳- آحادی قراءات: القراءة التي صح سندها، ولكن خالفت رسم المصحف أو العربية، أو كليهما و لم تشتهر الاشتهار المذكور. (یہ وہ قراءات ہے جو صحیح السند ہو، مگر مصاحف عثمانیہ یا قواعد عربیت کے موافق نہ ہو، یا دونوں کے موافق نہ ہو، اور مذکورہ شہرت کی حامل بھی نہ ہو۔)

۴- شاذ قراءات: ”القراءة التي لم يصح سندها، أو خالفت الرسم، أو لا وجه لها في العربية.“ (جس کی سند صحیح نہ ہو، یا رسم کے مخالف ہو، یا عربیت کے پہلو سے اس کی کوئی توجیہ نہ ہو۔)

۵- مدرج قراءات: العبارة التي زيدت بين الكلمات القرآنية على وجه التفسير. (یہ وہ قسم ہے جس میں قرآنی کلمات کے درمیان تفسیر و تشریح کے پیش نظر کسی لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔)

۱۳- محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی، إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول (بیروت: دار إحياء

التراث العربي، ۱۴۲۲ھ)، ۱: ۸۲۔

۶- موضوع قراءت: القراءة نسبت إلى قائلها من غير أصل أي من غير سند مطلقاً. (۱۵) (یہ وہ قراءت ہے جو بلا دلیل کسی کی طرف منسوب ہو۔)

۲- قراءت شاذہ کا تعارف

لفظ ”شاذ“، ”شذوذ“ سے مشتق ہے اور اس کا معنی انفرادیت، ندرت، اجنبیت، قلت اور افتراق ہے۔ ابن جنی نے ان میں سے متعدد معانی کو ”شذ“ مادے کے تحت جمع کرنے کے بعد یہ لکھا ہے: ”أما مواضع شذوذ في كلامهم فهو التفرق والتفرد.“ (۱۶) (کلام عرب میں تمام مقامات شذوذ میں تفرق اور تفرد کا معنی پایا جاتا ہے۔) اسی طرح کہا جاتا ہے: ”هو شاذ عن القياس وهذا مما شذَّ عن الأصول.“ (۱۷) (وہ قیاس کے خلاف ہے اور یہ چیز اصول و ضابطہ کے خلاف ہے) تو اس سے ثابت ہوا کہ لغوی طور پر قراءت شاذہ وہ ہوتی ہے جو منفرد، نادر، قلیل اور عام قراءات سے الگ اور عام قانون ضابطے اور اصول کے خلاف ہو۔ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت شاذہ کی تعریف یوں کی ہے: ”القراءة الشاذة ما نقل قرآنا من غير تواتر واستفاضة متلفاة بالقبول من الأئمة كما يشمل عليه المحتسب لابن جنی وغيره.“ (۱۸) (قراءت شاذہ وہ ہے جو بہ حیثیت قرآن کریم منقول ہو، لیکن نہ تو وہ تواتر سے ثابت ہو اور نہ ہی ائمہ قراءات کے نزدیک اسے قبول عام کا مقام حاصل ہو۔ اس کی مثال وہ قراءات ہیں جو ابن جنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المحتسب اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔) دور حاضر کے ماہر قراءات عالم، لمیب السعید کہتے ہیں: ”القراءات الشواذ في مصطلح علماء القرآن، هي التي تروى آحاداً، تخالف خط المصحف العثماني، الإمام، ولا يمنع من وصفها بالشذوذ أن تكون صحيحة السند وموافقة العربية.“ (۱۹) (علمائے قرآن کریم کی اصطلاح میں شواذ قراءات وہ ہیں جو سند احاد سے مروی ہیں اور مصحف امام کے رسم کے مخالف ہیں اور کسی قراءت کا صحیح السند اور لغت عربی کے

۱۵- السيوطي، الإتقان، ۱: ۲۶۵۔

۱۶- ابوالفتح عثمان ابن جنی، الخصائص، تحقيق: محمد علي النجار (بيروت: المكتبة العلمية، ۱۹۵۲ء)، ۱: ۹۶۔

۱۷- ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۳۹۳۔

۱۸- الزركشي، البرهان، ۱: ۳۸۱۔

۱۹- السعید لمیب، الجمع الصوتي الأول للقرآن (قاہرہ: دار المعارف)، ۲۲۱۔

مطابق ہونا اس کے شاذ ہونے سے مانع نہیں ہے۔) یعنی صحیح سند سے مروی اور عربی کے مطابق قراءت کو بھی شاذ کہا جاتا ہے، شاذ قراءت کے لیے ضعیف السند ہونا شرط نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاذ قراءت میں درج ذیل شرط کا ہونا ضروری ہے:

- ۱- تواتر السند سے منقول نہ ہو۔
- ۲- امت میں مشہور اور ائمہ قراءت کے نزدیک اسے تلقی بالقبول اور شہرت عام کا درجہ حاصل نہ ہو۔
- ۳- متواتر قراءت کے اصول اور ضوابط پر پوری نہ اترے۔

قراءات شاذہ کی اقسام

قراءات شاذہ کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

- ۱- وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو اور اس کی توجیہ لغت عرب کے موافق ہو، لیکن مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے رسم کے مطابق نہ ہو۔
- ۲- وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو؛ عربیت کے مطابق ہو اور رسم عثمانی کے بھی موافق ہو، لیکن نہ توجہ طریق تواتر ثابت ہو اور نہ ہی ایسے طریق سے جو قوت میں تواتر کے مساوی ہو۔^(۲۰)
- ۳- وہ قراءت جس کی سند صحیح ہو، رسم عثمانی کے مطابق ہو اور لغت عربی کے مخالف ہو۔
- ۴- بعض قراءات ایسی بھی ہیں جن کی اسانید صحیح ہیں، لیکن درحقیقت وہ قرآن نہیں ہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ دوران تلاوت میں کسی لفظ کی تفسیر اور تشریح کے لیے بعض کلمات کا اضافہ کر دیتے تھے، جن کو علوم حدیث کی اصطلاح میں ”مدرج“ کہا جاتا ہے۔
- ۵- وہ قراءت جس کی سند صحیح نہ ہو، خواہ وہ رسم عثمانی لغت عرب کے موافق ہو یا مخالف، ایسی قراءت بالاتفاق ضعیف اور قابل رد شمار ہوگی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام قراءات کو موضوع قرار دیا ہے۔^(۲۱)

۲۰- ابن جنی، المحتسب فی تبیین وجوہ شواذ القراءات والإيضاح عنها (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء)،

۲۳۵:۱۔

۲۱- السیوطی، الإنقان، ۱: ۱۵۵۔

۶- چھٹی قسم ان قراءات کی ہے جو رسم عثمانی اور لغت عرب کے موافق تھیں، لیکن سرے سے ان کی کوئی سند نہیں ہے۔ ایسی قراءات کو شاذہ کی بجائے ”مذوبہ“ (جھوٹی) کہا جائے گا۔^(۲۲)

۳- تفسیری ادب پر شاذہ قراءات کے اثرات

قرآن حکیم کی تفسیر کے سلسلے میں قراءات کو ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے اور خاص طور پر متواتر قراءات کو نظر انداز کرنا قرآن کریم کے ایک حصے کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ متواتر قراءتیں تو بالاتفاق استنباط مسائل اور تفسیر میں اثر انداز ہوتی ہیں لیکن کیا قراءات شاذہ کو بہ طور دلیل، تفسیر اور فقہی احکام میں اختیار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء اور مفسرین کی اس بارے میں دو آراء ہیں:

۱- قراءات شاذہ حجت ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز ہے۔

۲- قراءات شاذہ حجت نہیں اور ان پر عمل کرنا بھی جائز نہیں۔

پہلے مذہب کے قائلین احناف^(۲۳) اور حنابلہ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں^(۲۴) جب کہ ایک قول امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ ان دونوں مذاہب کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ: قراءات شاذہ کو اس وقت بہ طور دلیل اختیار کیا جائے گا، جب وہ کسی حکم کی ترجیح کے طور پر استعمال ہو اور اس وقت اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا، جب وہ کسی حکم کی ابتدائی دلیل کے طور پر وارد ہو۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تفسیر قرآن کریم میں قراءات شاذہ کا کردار بہت اہم ہے۔ اکثر کتب تفسیر میں قراءات شاذہ کی بنیاد پر مختلف آیات سے متنوع معانی کا استخراج کیا گیا ہے اور صحیح سند سے ثابت قراءات شاذہ کی بنیاد پر استخراج کیے گئے معانی دراصل ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں، جن میں کسی قسم کا تضاد موجود نہیں ہے۔ اسی طرح مفسرین نے قراءات شاذہ سے قراءات متواترہ کے مفہوم کی وضاحت یا کسی آیت سے پیدا ہونے والے وہم یا ابہام کو دور کرنے کا کام بھی لیا ہے اور بہ قول امام ابن تیمیہ: ہر قراءت اپنے معنی پر دلالت

۲۲- ابن الجزری، منجد، ۱۵۔

۲۳- محب اللہ بن عبدالشکور بہاری، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)، ۲: ۱۶۔

۲۴- تقی الدین ابوالبقاء ابن النجار الحنبلی، شرح الکوکب المنیر، تحقیق، محمد الزحیلی و نزہہ حمادہ (ریاض: مکتبۃ العبید کان،

کے اعتبار سے ایک مستقل مفہوم رکھتی ہے۔^(۲۵) یہاں ہم شاذ قراءت کے بعض مظاہر کو نمایاں کرنے کی کوشش کریں گے۔

الف۔ قرآنی آیات کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کرنا

ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں، مثلاً اس آیت کریمہ میں: ﴿وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ﴾^(۲۶) اس میں قرآن عشرہ کی قراءت ﴿لام کے فتح کے ساتھ﴾ (مَلَكَتَيْنِ) ہے اور ابن عباس کی قراءت (لام کے کسرہ کے ساتھ) ”مَلَكَتَيْنِ“ ہے۔ قراءت متواترہ سے مراد فرشتے ہیں یعنی شیطان نے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام سے کہا کہ: تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ اور شاذ قراءت ”مَلَكَتَيْنِ“ کا مفہوم یہ ہے کہ ”کہیں تم کو بادشاہت حاصل نہ ہو جائے۔“ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ دونوں معانی ہی مراد لیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ شیطان اپنے مقصد کے لیے ہر طرح کا لالچ دے سکتا ہے، یہ تنوع کا اختلاف ہے، تضاد نہیں ہے۔ اس طرح آیت ﴿وَتَرَى الْمَجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ * سَرَابِلُهُمْ مِّنْ فَطْرَانٍ وَتَعَشَّىٰ وَجُوهُهُمُ النَّارُ﴾^(۲۷) میں قرآن عشرہ نے فَطْرَان پڑھا ہے، یہ متواتر قراءت ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، ابن سیرین رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ نے اسے فَطْرِ آن پڑھا ہے، یعنی فَطْرِ الگ کلمہ ہے اور آن الگ ہے^(۲۸) متواتر قراءت فَطْرَان کا معنی بعض علما نے گندھک اور بعض نے تار کول بیان کیا ہے اور شاذ قراءت ”فَطْرِ آن“ دو کلمے ہیں، فَطْرِ کا معنی (تانبہ) اور آن دراصل اَنَا یَا بُنِی سے اسم فاعل ہے،

۲۵۔ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، تحقیق: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم (سعودیہ: مجمع

الملک فہد، ۱۹۹۵ء)، ۱۳: ۳۹۱۔

۲۶۔ القرآن ۷: ۲۰۔

۲۷۔ القرآن ۱۳: ۳۹-۵۰۔

۲۸۔ ابن عادل دمشقی، اللباب فی علوم الکتاب (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء)، ۱۱: ۳۱۸۔

یعنی حد درجہ گرم اور بعض نے آن کا معنی ”ایسی مانع چیز جو حد درجہ گرم ہو“ سے کیا ہے ^(۲۹) تو اس کا معنی ہے ”پگھلا ہوا شدید گرم تانبا“۔ یہاں پر متواتر اور شاذ قراءتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، صرف تنوع معانی ہے، تضاد نہیں۔

سورۃ النمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾ ^(۳۰) اس میں قراءت متواترہ ”تُكَلِّمُهُمْ“ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن جبیر رضی اللہ عنہ، ابو رزحہ رضی اللہ عنہ، نے اس کو ”تُكَلِّمُهُمْ“ پڑھا ہے۔ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ”تَنْبِئُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا“ پڑھا ہے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ”تُكَلِّمُهُمْ بِأَنَّ النَّاسَ“ پڑھا ہے۔ ^(۳۱) آخری دونوں قراءات شاذ ہیں۔ متواتر قراءت کا معنی ہے: ”وہ چوپایا، جو قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رونما ہو گا، وہ لوگوں سے گفت گو اور کلام کرے گا۔“ اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی شاذ قراءت ”تَنْبِئُهُمْ“ اس کی مزید تائید کر رہی ہے اور بعض نے معنی کیا ہے: ”تجرحہم“ کہ ”وہ چوپایا لوگوں کو زخمی کرے گا“ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی قراءت تُكَلِّمُهُمْ اس معنی کی تائید کر رہی ہے۔ اس آیت کریمہ کے سلسلے میں بیان کردہ ان معانی پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم تضاد نہیں، یعنی وہ جانور لوگوں سے گفت گو اور کلام بھی کرے گا اور ان کو زخمی بھی کرے گا۔

اسی طرح آیت ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ ^(۳۲) میں قرآن عشرہ کی قراءت ”لِمُسْتَقَرٍّ“ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کی قراءت ”وَالشَّمْسُ تَجْرِي لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا“ ^(۳۳) ہے اور یہ رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ

۲۹۔ ابن عادل، نفس مرجح، ۱۱: ۳۱۸۔

۳۰۔ القرآن ۲۷: ۸۶۔

۳۱۔ ابو عبد اللہ محمد بن خالد القرطبی، الجامع لأحكام القرآن (دمشق: مكتبة الغزالي)، ۵: ۲۵-۲۸۔

۳۲۔ القرآن ۳۶: ۳۸۔

۳۳۔ ابن عادل، اللباب، ۱۶: ۲۱۷۔

سے شاذ ہے۔ قراءت متواترہ ”لُـسْتَقَرَّ لَهَا“ کا معنی ہے کہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف جارہا ہے، جب وہاں پہنچ جائے گا تو اس سے آگے نہ بڑھ سکے گا اور اگلے روز اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پھر مشرق سے طلوع ہوگا (۳۳) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی قراءت کا مفہوم یہ ہے کہ سورج کا کوئی ٹھکانہ اور جائے قرار نہیں ہے، یہ دن رات اسی طرح چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کو لپیٹ دے گا اور بعض نے متواتر قراءت (لمستقر) کی تفسیر یہ کی ہے کہ دنیا میں سورج کے لیے کوئی مستقر نہیں ہے ”أَي لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ کہ روز قیامت تک اس کے لیے کوئی جائے قرار نہیں۔ درحقیقت ان دونوں قراءات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْزَّيْتُونِ * وَطُورِ سِينِينَ * وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ *﴾ (۳۵) اس آیت میں قراءت متواترہ ”سِينِينَ“ ہے، جب کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ کی قراءت ”سِينَاء“ (سین کے کسرہ کے ساتھ) ہے۔ یہ قراءت شاذہ ہے ”سِينِينَ“ کا معنی ہے خوب صورت پہاڑ، مبارک پہاڑ؛ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ایک خاص پتھر ہے اور پہاڑ کی طرف اس کی نسبت اس کے قریب پڑے ہونے کی وجہ سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دراصل سینا ہے جو ایک مقام کا نام ہے، یعنی وہ پہاڑ جو سینا کے مقام پر ہے۔ یہاں بھی کوئی تضاد نہیں، کیوں کہ آخری معنی کی تائید قراءت شاذہ سے ہوئی ہے۔

ب۔ قرآنی آیات سے مستنبط احکام کی وضاحت کرنا

بعض فقہی احکام بھی قراءات شاذہ پر مبنی ہیں اور فقہا نے فقہی احکام میں ان کا استعمال کیا ہے، مثلاً روزوں کی قضا میں لگاتار روزے رکھنے کا حکم قراءت پر مبنی ہے، فرمان الہی ہے: ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۳۶) حضرت ابی

۳۳۔ القرطبی، الجامع، ۱۵: ۲۷۷-۲۸۸۔

۳۵۔ القرآن ۹۵: ۱-۳۔

۳۶۔ القرآن ۲: ۱۸۳۔

بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہاں ”فعدة من أيام آخر متتابعات“ (۳۷) پڑھا ہے۔ اسی ضمن میں علمائے کرام میں رمضان میں رہ جانے والے روزوں کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مسلسل رکھے جائیں گے یا الگ الگ بھی رکھے جاسکتے ہیں؟ ابی بن کعب کی قراءت کی رو سے یہ روزے لگاتار ہوں گے اور تین وجوہ سے اس کی تائید ہوتی ہے:

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من كان عليه صوم من رمضان فليسرده ولا يقطعه.“ (۳۸) (جس کسی پر رمضان کے روزے ہوں وہ انھیں مسلسل رکھے اور منقطع نہ کرے۔)

۲- انسان کو چاہیے کہ اللہ کے حقوق کو جس قدر جلدی ممکن ہو ادا کر دے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ (۳۹) (اور اپنے رب کی بخشش کی جانب دوڑ کر چلو۔) یہ جلدی روزوں کو مسلسل رکھنے ہی سے ہو سکتی ہے۔

۳- قضا، ادا ہی کی مثل ہے۔ لگاتار روزے رکھنا جس طرح ادا میں واجب ہے، بالکل اسی طرح قضا میں بھی واجب ہونا چاہیے۔

جمہور فقہاء کا خیال ہے کہ روزوں میں تفریق جائز ہے، لیکن لگاتار رکھنا مستحب ہے (۴۰) اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ”فعدة من أيام آخر“ ہے۔ یہاں اسمِ نکرہ (عدة) مثبت سیاق میں ہے جو کہ اطلاق کا فائدہ دیتا ہے۔ اس آیت میں روزوں کی قضا کا مطلق حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس سے مراد لگاتار رکھنا ہوتا، تو اسے صریح الفاظ میں بیان کیا جاتا جیسا کہ ”قتل“ اور ”ظہار“ کے کفاروں میں مسلسل روزوں کا حکم دیا گیا ہے: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

۳۷- ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن حسین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، ۱: ۱۷۰۔

۳۸- ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی، سنن الدارقطنی، تحقیق: شعیب الأرئوط و آخرون، کتاب الصیام، باب القبلة

للصائم، (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۳ء)، ۳: ۱۶۹، رقم: ۲۳۱۲

۳۹- القرآن ۳: ۱۳۳۔

۴۰- عبد اللہ بن احمد بن محمد ابن قدامہ، المغنی، تحقیق: عبد اللہ عبد المحسن (قاہرہ: ۱۹۹۲ء)، ۳: ۸۸۔

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ﴿۳۱﴾ (اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے درپے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔) اور تفریق کے جواز پر احادیث بھی موجود ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے روزوں کی قضا کے بارے میں فرمایا ”إِنْ شَاءَ فَرَقْ، وَإِنْ شَاءَ تَابَعَ“ (۳۲) (چاہے تو تفریق کرے اور اگر چاہے تو مسلسل روزے رکھ لے) ایک اور روایت میں قضاے رمضان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”يُقْضِيهِ تَبَاعَا، وَإِنْ فَرَقَهُ أَجْزَأُ“ (۳۳) قضا مسلسل دی جائے گی اور اگر تفریق کریں تو جائز ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ (۳۴) مصحف عائشہ رضی اللہ عنہا اور املائے حفصہ رضی اللہ عنہا میں یہ آیت اس طرح ہے: ”والصلاة الوسطى وهي صلاة العصر.“ (۳۵) مصحف ام سلمہ رضی اللہ عنہا و حفصہ رضی اللہ عنہا میں واو کے بغیر ”والصلاة الوسطى صلاة العصر“ کے الفاظ ہیں۔ اس آیت میں مختلف شاذ قراءتوں کی بنا پر علمائے کرام نے الصلوة الوسطى سے متعدد معانی کا استنباط کیا ہے۔ جمہور علما کے نزدیک اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ (۳۶) ایک قراءت جو کہ والصلاة الوسطى صلاة العصر کی ہے، اسے دو مفایم پر محمول کیا جائے گا۔

۱- واؤ زائدہ ہو۔ (۳۷)

- ۳۱- القرآن ۵۸: ۴۔
 ۳۲- الدار قطنی، سنن الدار قطنی، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، تحقیق: شعیب ار نوود نگر (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۴ء)، ۱۷۳: ۳، رقم: ۲۳۲۹۔
 ۳۳- الدار قطنی، نفس مصدر، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، ۱۷۰: ۳، رقم: ۲۳۱۷۔
 ۳۴- القرآن ۲: ۲۳۸۔
 ۳۵- محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن (بیروت: دار العلم)، ۵: ۱۷۵۔
 ۳۶- احمد بن علی ابو بکر الرازی الجصاص، أحكام القرآن، تحقیق: محمد صادق القمحاوی (بیروت، دار إحياء التراث، ۱۴۰۵ھ)، ۲: ۱۵۵۔
 ۳۷- احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، فتح الباری (بیروت: دار المعرفة، ۱۳۷۹ھ)، ۹: ۲۶۳۔

۲- واؤ عاطفہ ہو، لیکن یہ عطف، صفت کا صفت پر ہونہ کہ ذات کا، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ﴿وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ﴾ (۳۸) (لیکن وہ اللہ کے رسول ﷺ اور خاتم النبیین ہیں) یعنی رسول اللہ ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں، پس صلاۃ العصر کہنا الصلاۃ الوسطیٰ کی وضاحت ہے جو کہ نماز عصر ہے۔

احناف نے نماز عصر کے اثبات میں پیش کی جانے والی ان قراءات کو اختیار نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اس سلسلے میں وارد شدہ صحیح احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا: ”ملاً اللہ قبورہم و بیوتہم نارا کما شغلونا عن صلاۃ الوسطیٰ حتی غابت الشمس وھی صلاۃ العصر۔“ (۳۹) (اللہ تعالیٰ ان (کافروں) کی قبروں اور گھروں کو اس طرح آگ سے بھر دے جس طرح انھوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے مشغول کر دیا، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور وہ (صلاۃ وسطیٰ) نماز عصر ہے۔ اس طرح حضرت سمرہ بن جندب سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الصلاۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر۔“ (۵۰) (صلاۃ وسطیٰ صلاۃ عصر ہے۔)

اسی طرح اس آیت کریمہ میں ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَبِتْكُمْ عَلَى الْإِغْيَاءِ إِن أَرَدْنَا نَحْصِنَ لِنَبْنِغُوا عَرْضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِمْ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (۵۱) یہاں پر ایک شاذ قراءت ”فإن الله من بعد إكراههم (لهم) غفور رحيم۔“ اس آیت میں ان باندیوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، جن کو جبر و اکراہ کے ساتھ زنا کا شکار بنادیا جائے اور اس میں یہ جو شرط ہے کہ اگر وہ پاک دامن چاہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اس صورت میں تو یہ اور بھی بڑا گناہ اور ظلم ہے، ورنہ اگر یہ کام ان کی رضامندی سے بھی کرایا جائے، تب بھی

۳۸- القرآن ۳۳: ۳۰۔

۳۹- محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین (بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، رقم: ۶۳۹۶۔

۵۰- محمد بن عیسیٰ ابویسٰی الترمذی، سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی صلاۃ الوسطیٰ (مصر: مصطفى البابي الحلبي، ۱۹۷۵ء)، ۱: ۳۳۹، رقم: ۱۸۱۔

۵۱- القرآن ۲۴: ۳۳۔

گناہ ہے اور اگر وہ یہ کام کسی کے مجبور کرنے سے کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ کو معاف کرنے والا ہے۔ اگر وہ بھی رضا مندی سے کریں تو سوائے سچی توبہ کے ان کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے، چنانچہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتِنَتَكُمْ عَلَى الْبَغَاءِ﴾^(۵۲) (اور اپنی لڑکیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔) لیکن آیت کے اگلے حصے میں یہ وضاحت موجود نہیں ہے کہ آیا جو لوگ کسی عورت کو زبردستی زنا پر مجبور کر دیں، تو یہ مغفرت اور رحمت ان کے لیے ہے، یا صرف ان عورتوں کے لیے ہے؟ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ”زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر واکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکہ کی بجائے بسی اور بے چارگی دیکھ کر درگزر فرماتا ہے۔ اس صورت میں زبردستی کرنے والے پر سخت عذاب ہو گا۔“^(۵۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قراءت سے یہ معنی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مغفرت اور رحمت ان عورتوں کے لیے ہے جن کو مجبور کیا جائے، نہ کہ مجبور کرنے والوں کے لیے، کیوں کہ وہ پڑھا کرتے تھے:

﴿فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِمْ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾^(۵۴)

تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التأویل (تفسیر النسفی) میں ہے: ”ومن یکرهن فإن الله من بعد إكراههن غفور رحيم أي لهن أولهم إذا تابوا.“^(۵۵) یعنی یہ مغفرت اور رحمت کا حکم تو ان عورتوں ہی کے لیے ہے، لیکن مجبور کرنے والوں کی مغفرت بھی ہو سکتی ہے، اگر وہ توبہ کر لیں، چنانچہ اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہی معنی بیان کیا ہے، اگرچہ کسی نے اس قراءت شاذہ کو ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا ہے، جیسا کہ معارف القرآن میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے اسی قراءت شاذہ کے مطابق ترجمہ کیا ہے: ”اور جو کوئی ان پر زور کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی کے بعد بخشنے والا مہربان ہے، یعنی اگر مجبوری اور بے بسی کی حالت میں یہ گناہ کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہے۔“^(۵۶)

۵۲- القرآن ۲۴: ۳۳

۵۳- شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی (لاہور: تاج کمپنی، ۱۹۸۹ء)، ۶۱۱: القرآن ۲۴: ۳۳

۵۴- عبد اللطیف الخطیب، معجم القراءات (قاہرہ: دار سعد الدین، ۲۰۰۰ء)، ۶: ۲۶۳، ۳: ۲۵۱

۵۵- عبد اللہ بن احمد النسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل (لاہور: ۱۹۹۱ء)، ۲: ۵۰۵

۵۶- محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن (شہاد پور،: مکتبہ المعارف، ۱۳۲۲ھ)، ۵: ۱۲۵

ج۔ قرآنی الفاظ کے مفہوم کا تعین کرنا

کسی آیت کی تفسیر و توضیح میں قراءت شاذہ کی بہت اہمیت ہے، مثلاً ”والراسخون فی العلم“ کے الفاظ ما قبل آیت کا معطوف ہیں یا نیا جملہ ہے، ذیل کی مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَبَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾^(۵۷) یہ قراءت متواترہ یعنی قرآن عشرہ کی قراءت ہے اور طاووس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے تھے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِ﴾^(۵۸) جب کہ اعمش (کوئی ائمہ قراءت میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح پڑھتے تھے: ”وإن حقيقة تأويله إلا عند الله والراسخون في العلم يقولون آمنا به۔“^(۵۹)

ائمہ عشرہ کی قراءت میں دو معانی کا احتمال موجود ہے:

الف: ”والراسخون فی العلم“ کو لفظ ”اللہ“ کا معطوف قرار دیا جائے اور ”يقولون آمنا به“ کو محل نصب میں حال بنایا جائے اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ ”متشابہ آیات کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ اور علم میں پختہ کار علما کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

ب: ”والراسخون فی العلم“ کو نیا جملہ قرار دیا جائے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ ”جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے۔ وہ محکم آیات کو چھوڑ کر ہمیشہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حالاں کہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے، کیوں کہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔“

۵۷۔ القرآن ۳: ۷۰۔

۵۸۔ القرآن ۳: ۷۰۔

۵۹۔ ابو بکر بن ابی داؤد، کتاب المصاحف، تحقیق: محمد بن عبدہ (قاہرہ: الفاروق الحدیثہ، ۲۰۰۲ء)، ۱: ۱۷۵۔

اور یہاں پر مؤخر الذکر مفہوم کی تائید شاذ قراءت سے واضح ہوتی ہے۔ اس معنی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا غالب اسلوب یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لفظ الا سے کسی چیز کو اپنے لیے ثابت کرتا ہے اور کائنات سے اس کی نفی کر دیتا ہے تو اس کے بعد وہ مخلوق میں سے کسی کو اس میں شریک نہیں کرتا، اور قرآن کریم کا عام انداز یہی ہے، مثلاً ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾^(۶۰) جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلے پر تفصیلی گفت گو کے بعد اسی موقف کو صحیح قرار دیا ہے۔^(۶۱) نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے صحابہ کرام و تابعین وغیرہ کی اکثریت کا یہی مذہب نقل کیا ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور تائید میں امام بغوی رحمہ اللہ،^(۶۲) امام رازی رحمہ اللہ^(۶۳) وغیرہ متعدد مفسرین کی عبارات نقل کی ہیں۔^(۶۴) شیخ شنفیطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر أضواء البیان میں اس موقف کو صحیح قرار دیا ہے۔^(۶۵) سورہ یونس کی آیت ۹۴ میں فرعون مصر کی لاش کا ذکر ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ﴾^(۶۶) یہاں قراءت متواترہ ”نُنَجِّيكَ“ ہے۔ قرآن عشرہ نے اس طرح پڑھا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس کو ”نُنَجِّيكَ“ (حا کے ساتھ) پڑھا ہے اور یہ شاذ قراءت ہے۔ قراءت متواترہ کے دو مفہیم علمائے تفسیر نے بیان کیے ہیں:

۱۔ ہم تیری لاش کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیں گے، تاکہ یہ بعد والوں کے لیے باعث عبرت بن سکے۔

۶۰۔ القرآن ۲۷: ۶۵۔

۶۱۔ جمال الدین القاسمی، محاسن التاویل (قطر: دار احیاء التراث الاسلامی) ۲: ۱۸۳-۱۸۵۔

۶۲۔ ابو محمد بن حسین بن مسعود البغوی، شافعی المسلك محدث اور مفسر تھے۔

۶۳۔ محمد بن عمر بن حسین، کنیت ابوب عبد اللہ اور لقب فخر الدین ۵۴۴ھ کو ”رے“ میں پیدا ہوئے۔

۶۴۔ صدیق حسن خان، فتح البیان فی مقاصد القرآن، (بیروت: المكتبة العصرية، ۱۹۹۶ء)، ۲: ۱۸۳۔

۶۵۔ محمد امین الشنفیطی، أضواء البیان فی إيضاح القرآن بالقرآن (قاہرہ: مكتبة ابن تیمیہ، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۳۳۶۔

۶۶۔ القرآن ۱۰: ۹۲۔

۲- بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کے بارے میں شک ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ اس کا مردہ جسم صحیح سالم کسی بلند ٹیلے پر باہر نکالے، تاکہ قوم بنی اسرائیل اس کی ہلاکت کا یقین کر لے۔^(۶۷)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف کا موقف قرار دیا ہے اور یہاں مفسرین نے ”نَنْجِيكَ“ کا معنی ”نلقیک علی نجوة من الأرض، أى علی مکان مرتفع من الأرض“ (ہم تیرا جسم زمین میں کسی بلند جگہ پر ڈال دیں گے۔) بیان کیا ہے اور یہی مفہوم زیادہ رائج ہے، کیوں کہ اس کی تائید ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی شاذ قراءت سے ہو رہی ہے جو ”التنحية“ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی یہ ہے ”نلقیک فیما یلی البحر“، یعنی ہم تجھے سمندر کے کنارے پھینک دیں گے۔^(۶۸) اور فرعون کی لاش کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنے والا معنی درست نہیں، کیوں کہ آج سے کئی سال پہلے فرعون کی جو لاش برآمد ہوئی ہے، اس کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ واقعی وہی فرعون ہے جس کا مقابلہ موسیٰ علیہ السلام سے ہوا ہے اور اگر بالفرض ہو بھی تو آیت کریمہ کا یہ منشا نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱- شاذ قراءت اس مفہوم کے خلاف ہے۔

۲- اگر ہم اس کی لاش کو نمونہ عبرت قرار دیتے ہیں تو پھر لمن خلفک آية کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ آج سے سو سال پہلے اس لاش کا کسی کو علم نہیں تھا اور یقین سے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ فرعون وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابل تھا۔

۳- اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اپنی قدرت کاملہ کا مظہر قرار دیا کہ ہم نے اس کی لاش کو سمندر کی تہوں سے نکال کر اونچے نیلے پر پھینک دیا، تاکہ بنی اسرائیل اس جھوٹے ”رب اعلیٰ“ کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور یہ واقعہ بہ طور یادگار آئندہ نسلوں کے لیے عبرت بن جائے اور اگر ہم اس سے فرعون کی

۶۷- عبد اللہ الشوکانی، فتح القدیر، مراجعہ، یوسف الفوش (بیروت: دار المعرفہ، ۱۹۹۵ء)، ۶: ۵۸۔

۶۸- الشوکانی، نفس المرجع، ۲: ۵۸۸۔

لاش کا ہمیشہ کے لیے محفوظ ہونا مراد لیتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر نہیں بن سکتا، کیوں کہ اسی طرح کی سینکڑوں دوسری میاں بھی قاہرہ کے عجائب خانوں میں حنوط شدہ موجود ہیں۔
تو یہ معنی ”نلقیک علی نجوة من الأرض“، (ہم تیرے جسم کو بلند ٹیلے پر ڈال دیں گے) زیادہ رائج ہے۔

ح- مشکلات القرآن کی توضیح میں معاونت فراہم کرنا

مشکلات القرآن سے مراد وہ آیات ہیں جن کا فہم مشکل ہو۔ شاذ قراءات کی مدد سے ان کے فہم اور معنی کے تعین میں بہت مدد ملتی ہے، مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱- آیت کریمہ ﴿حَقَّ إِذَا فَتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّن كَلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ﴾^(۶۹) کی متواتر قراءات میں ”حَدَبٍ“ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے (جیم اور ثا کے ساتھ) ”جَدَثٍ“ پڑھا ہے۔ (حَدَبٍ) کہتے ہیں: ”کل أكمة من الأرض مرتفعة“^(۷۰) (زمین کا بلند ٹیلا)؛ لہذا معنی ہو گا کہ ”قوم یا جوج و ما جوج کے لوگ ہر ٹیلے سے نکل پڑیں گے۔“ اس صورت میں ”ہم“ ضمیر کا مرجع یا جوج و ما جوج ہوں گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ”جدث“ ہے^(۷۱) اور جدث قبر کو کہتے ہیں، یعنی لوگ روزِ محشر اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے، اس صورت میں ”ہم“ کا مرجع عام انسان ہیں۔

متواتر اور شاذ قراءتوں کے معنوں میں بہ ظاہر کوئی مطابقت نظر نہیں آتی، لیکن غور کیا جائے تو دونوں میں مطابقت ہے، مثلاً پہلے قیامت کی نشانیوں میں ایک قریب ترین نشانی، یا جوج و ما جوج کا تذکرہ ہوا ہے اور اس کے بعد قیامت کے برپا ہونے کا منظر دکھایا گیا ہے۔ جس کی تائید اس آیت سے بھی ملتی ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ﴾^(۷۲)

۶۹- القرآن ۲۱: ۹۶۔

۷۰- الشوکانی، مرجع سابق، ۳: ۵۳۳۔

۷۱- ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی، البحر المحیط، تحقیق: صدق محمد جمیل (بیروت: دار الفکر، ۱۴۲۰ھ) ۶: ۳۳۹۔

۷۲- القرآن ۳۶: ۵۱۔

البحر المحيط کے مصنف کے نزدیک آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے، یعنی ”حتى إذا فتحت
 ياجوج ومأجوج، اقرب الوعد الحق، وهم أي العالم من كل جدث ينسلون شاخصة أبصار
 الذين كفروا.“ (۴۳) (جب یاجوج و ما جوج کھول دیے جائیں گے، تو سمجھ لو کہ وعدہ برحق کے پورا ہونے کا وقت
 قریب آگیا ہے۔ اس کے بعد کائنات کے لوگ اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے اور ان کی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی،
 جنہوں نے کفر کیا۔)

دونوں قراءات میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ معنی اور مفہوم کی وسعت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں
 قراءتوں میں ”هُم“ ضمیر یاجوج و ما جوج ہی ہوں۔

۲- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا ثُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ
 فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (۴۴)

قراءت متواترہ میں ”فاسعوا إلى ذكر الله“ ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن
 کعب رضی اللہ عنہ نے اس کو ”فامضوا إلى ذكر الله“ پڑھا ہے۔ ”فاسعوا“ کے مفہوم کے بارے میں حسن
 بصری رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قدموں کی سعی نہیں، بلکہ دلوں اور نیت کی سعی مراد ہے۔ اس طرح کچھ
 مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد عمل ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا
 سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ (۴۵) بعض مفسرین نے سعی بالاقدام مراد لیا ہے اور بعض نے اس سے قصد مراد لیا ہے
 اور بعض نے ”الذهاب والمشي والمضي.“ (۴۶) یعنی سکون اور وقار کے ساتھ عام معمول کے مطابق چلنا مراد لیا
 ہے اور قراءت شاذہ ”فامضوا“ کا معنی بھی سکون اور وقار سے چلنا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی
 اس قراءت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ”قد احتج مالک في هذا الباب لمعنى السعي في هذا“

۴۳- ابوجیان، مرجع سابق، ۶: ۳۳۹۔

۴۴- القرآن ۳۶: ۹۔

۴۵- القرآن ۱۷: ۱۹۔

۴۶- الشوکانی، مرجع سابق، ۵: ۲۵۸۔

الموضع أنه ليس الاشتداد والإسراع.“ (۷۷) (امام مالک رحمہ اللہ نے اس باب میں لفظ ”سعی“ کے مفہوم کی وضاحت کے لیے اس قراءت شاذہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے مراد دوڑ کر جانا نہیں ہے۔) قراءت متواترہ ”فاسعوا“ کے معنی میں نماز جمعہ کے لیے دوڑ کر جانے کا واضح احتمال موجود ہے، لیکن شاذ قراءت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ”فاسعوا“ سے مراد دوڑ کر جانا نہیں، بلکہ سعی اور مشی سے سکون اور وقار سے چلنا مراد ہے اور یہ مفہوم حدیث سے بھی ثابت ہے ”إذا أقيمت الصلوة فلا تأتوها وتسعون وأتوها تمشون وعليكم السكينة ما أدرکتهم فصلوا وما فاتکم فأتوا.“ (۷۸) (جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑ کر نہ آؤ، بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چل کر آؤ، جس قدر مل جائے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لو۔)

نتائج:

۱۔ اس بحث سے معلوم ہوا کہ شاذ قراءات، قرآنی آیات کے مشکل مقامات کی توضیح و تشریح کرنے میں بہت معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان کا تعلق علوم القرآن کی مختلف اصناف کے ساتھ ہے لیکن ان کا زیادہ اثر علم التفسیر پر ہے۔ قدیم کتب تفسیر میں قراءات متواترہ کے ساتھ ساتھ متعدد قراءات شاذہ کا تذکرہ بھی موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر، قراءات کی وضاحت اور علوم عربیہ میں ان کا ایک اہم کردار ہے مثلاً تفسیر سفیان الثوری، جو کہ تفسیر قرآن پر اولین کتب میں سے ہے، میں قراءات کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ انھوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد وغیرہ سے قراءات نقل کی ہیں۔ (۷۹) اسی طرح معانی القرآن (ابو زکریا یحییٰ بن زیاد بن عبد اللہ الدیلمی القراء

۷۷۔ ابن عبد البر، الاستذکار (دمشق: دار قتیبة للطباعة والنشر، ۱۹۹۳ء)، ۵: ۵۲۔

۷۸۔ البخاری، صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، ۲: ۸، رقم: ۹۰۹۔

۷۹۔ یہ تفسیر سفیان بن سعید الثوری (م ۱۶۱ھ) کے تفسیری اقوال کی جمع و تالیف پر مشتمل ہے اور دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۳۱-۳۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

(ت ۲۰۷ھ) ^(۸۰) میں بھی مصنف نے متعدد قراءات شاذہ سے استفادہ کیا ہے، جن کی طرف قراء بعضہم اور قراء بعض القراء کہہ کر یا شاذ قراء کی جانب نسبت کر کے اشارہ کیا گیا ہے، بلکہ بعض جگہ تو قراء کے لیے ”شاذ“ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ ^(۸۱)

۲۔ اس طرح غریب القرآن میں ابن قتیبہ نے شاذ قراءات کا ذکر کیا ہے اور جامع البیان عن تأویل آی القرآن (ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (ت ۳۱۰ھ)) نے آیات کے مفہوم میں قراءات کے بیان کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اسی طرح ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن حیان اللاندی نے (تفسیر البحر المحیط) میں قراءات متواترہ کے ساتھ ساتھ قراءات شاذہ کا بھی کثرت سے ذکر کیا ہے۔ کتب تفسیر میں یہ کتاب اس لحاظ سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں مصنف نے نہایت اہتمام کے ساتھ قراءات متواترہ اور شاذہ کو ذکر کرنے کے بعد ان سے استدلال بھی کیا ہے۔ اس تفسیر میں قراءات کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب توجیہ القراءات، اعراب القرآن وغیرہ کے موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب تفسیر مثلاً الکشاف، تفسیر القرطبی، در المنثور، تفسیر الجلالین اور فتح القدیر وغیرہ میں بھی قراءات متواترہ کے علاوہ قراءات شاذہ کا ذکر موجود ہے اور ان قراءات شاذہ کا تفسیری ادب پر گہرا اثر تھا، ہے اور رہے گا۔

۳۔ قراءات کے اختلاف کی وجہ سے کبھی معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ لہذا متواتر قراءات مفسرین و فقہاء کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ بعض مفسرین کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ وہ متواتر قراءتوں میں بعض کو بعض پر معنوی اعتبار سے ترجیح دیتے ہیں، یا بعض اوقات کسی قراءات کو رد کر دیتے ہیں، لیکن جمہور مفسرین و علما نے اس طرز عمل کو ناپسند کیا ہے، کیوں کہ یہ قراءات متواتر ہیں۔

۴۔ شاذ قراءات قرآن کا حصہ نہیں ہیں، تاہم ان کو تفسیر میں بہت اہمیت حاصل ہے، خاص طور پر جب کوئی شاذ قراءت صحیح سند کے ساتھ منقول ہو تو اس کو خبر واحد کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔ شاذ قراءات کی حجیت میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک یہ خبر واحد کے درجے میں حجت ہیں، حنابلہ کے نزدیک بھی یہی رائج

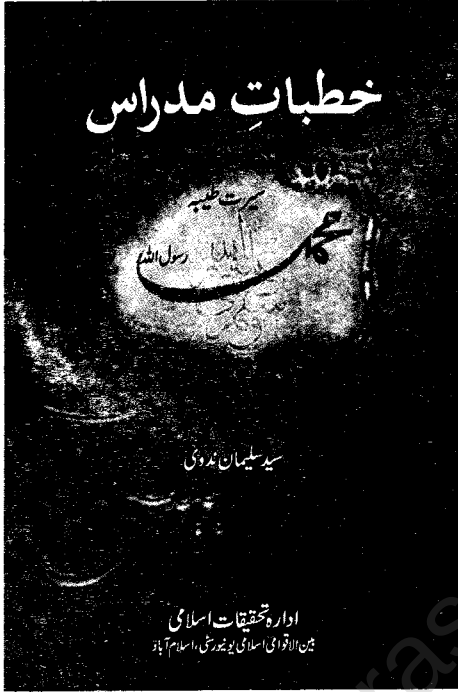
۸۰۔ ابو زکریا یحییٰ بن زیاد الفراء، مقدمة معانی القرآن (دار السور)، ۱: ۵۔

۸۱۔ الفراء، نفس المصدر، ۲: ۳۸۵۔

ہے۔ بعض مالکیہ اور امام شافعی سے ایک روایت کے مطابق یہ حجت نہیں ہیں، لیکن بہ ہر حال علما اور مفسرین نے ان کو یکسر نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ بعض مواقع پر شاذ قراءات سب کے نزدیک حجت بن جاتی ہیں۔



خطبات مدراس



”خطبات مدراس“ علامہ سید سلیمان ندوی کے ان مشہور خطبات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر ۱۹۲۵ میں دیے تھے۔ یہ خطبات کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ کتاب کے قبول عام کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ یہ مسلسل شائع ہوتی رہی ہے اور اپنے مواد اور اسلوب بیان کے سبب اہل فکر و نظر سے خراج تحسین وصول کرتی رہی ہے۔

خطبات مدراس کی اشاعت سے لے کر اب تک سیرت کے میدان میں بہت سا کام سامنے آچکا ہے۔ سیرت و مغازی اور دوسرے اسلامی علوم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جو مخطوطات کی شکل میں دنیا کے مختلف حصوں میں بکھرا ہوا تھا اسے دریافت کے بعد زور و طبع سے آراستہ کیا جا چکا ہے۔ ان سب باتوں کے پیش نظر اس کتاب کے ایک جدید ایڈیشن کی ضرورت عرصہ دراز سے محسوس کی جا رہی تھی۔ یہ ضرورت اب پوری کی جا رہی ہے۔

اس نئی تدوین کو علمی اعتبار سے اور زیادہ وسیع اور مفید بنانے کے لیے خطبات میں مذکور آیات اور احادیث کی تخریج کر دی گئی ہے، تلمیحات اور دیگر حواہی کے پیش نظر حواشی کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور مصادر و مراجع اور دیگر علمی فہارس بھی شامل کر لی گئی ہیں۔ اس کاوش کی بدولت کتاب کی علمی قدر و قیمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین اس ایڈیشن کو سابقہ ایڈیشنوں کے مقابلے میں زیادہ مفید پائیں گے۔

۳۴۱ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اشاریہ شامل ہے۔ قیمت: ۳۰۰/-

ISBN 978-969-408-321-6

قارئین اور ادارے جو اس کتاب سے خصوصی طور پر استفادہ کر سکتے ہیں:

اہل علم، طلبہ، عام قاری، کتب خانے، مراکز تحقیق، جامعات۔

کتاب منگوانے یا ادارہ کی کتابوں کی فہرست حاصل کرنے کے لیے رابطہ فرمائیے:

ڈائریکٹر مطبوعات، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵، اسلام آباد۔

فون نمبر: 051-9261761, Ext. 308 ای میل: (< iri.publications@gmail.com >)

قیمت کی ادائیگی کے طریقے: بینک ڈرافٹ (بنام ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد)، بینک بلیٹ یا منی آرڈر۔ ڈاک خرچ یا ٹرک سروس کا کرایہ بذمہ خریدار۔

نوٹ: کتب فروشوں، کتب خانوں اور اداروں کو خریداری کی مالیت کے حساب سے ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے۔